Majallah-yi Talim o Tahqiq

مجلہ تعلیم و تحقیق

Markaz Talim o Tahqiq, Gulshan-e-Taleem,
Sector H-15, Islamabad, Pakistan

مرکز تعلیم و تحقیق، گلشنِ تعلیم، ایچ۔۱۵، اسلام آباد، پاکستان

ISSN (P): 2618-1355, ISSN (Online): 2618-1363

Issue 2,Vol ,8 , April–June ,2026

شمارہ۲، جلد۸، اپریل–جون، ۲۰۲۶

جدید ریاستی قوانین اور اسلامی ولایت کے اصول: ایک تجزیاتی مطالعہ

Suleman[1]

Abstract

Title: Modern State Laws and the Principles of Islamic Wilayah: An Analytical Study

This study examines the concept of Wilayah (authority) in Islamic jurisprudence and its relationship with state authority in modern legal systems. It aims to analyze the foundations, scope, and objectives of Wilayah in Islamic law, examine the legal basis of authority in contemporary constitutional states, and explore the areas of convergence, divergence, and possible harmonization between the two systems. The research adopts an analytical approach based on the Qur'an, Sunnah, classical juristic sources, and contemporary legal literature.

The study concludes that Wilayah in Islam is a Shariah-based trust and legal responsibility established to ensure justice, protect rights, and promote public welfare (*Maslahah*). While modern legal systems derive state authority from constitutional and democratic principles, Islamic law derives authority from divine sovereignty and the objectives of Shariah. Despite these foundational differences, both systems share common values, including justice, accountability, the rule of law, and the protection of public interests. The study argues that the principles of Maqāṣid al-Sharīʿah, Maslahah, Ijtihād, and Shūrā provide a sound basis for harmonizing Islamic Wilayah with the requirements of modern constitutional governance.

Keywords: Wilayah, State Authority, Islamic Jurisprudence, Modern Legal Systems, Maqāṣid al-Sharīʿah, Public Interest, Constitutional Law.

[1] Lecturer, Law Department, Al-Hamd Islamic University, Islamabad
sulemankohistani786@gmail.com

تعارف موضوع

اسلامی قانون، سیاسیات اسلامیہ اور فقہ عامہ [2] میں ولایت ایک بنیادی، ہمہ گیر اور کلیدی تصور کی حیثیت رکھتی ہے، جو فرد، معاشرہ اور ریاست کے مابین اختیارات، ذمہ داریوں اور حقوق کے تعین میں مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ اسلامی فقہ میں ولایت سے مراد ایسا مشروع اختیار [3] ہے جو شریعت کی جانب سے کسی فرد یا ادارے کو عوامی یا نجی مصالح کے تحفظ، حقوق کی نگہداشت، تنازعات کے حل، نظمِ اجتماعی کے قیام اور عدل و انصاف کے نفاذ کے لیے عطا کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ولایت محض اقتدار یا حکمرانی کا نام نہیں بلکہ ایک شرعی امانت، قانونی ذمہ داری اور عوامی خدمت کا نظام ہے جس کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل، امن، استحکام اور فلاح کا قیام ہے۔[4] اسلامی تعلیمات میں اختیار [5] کو مطلق اور غیر محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے شریعت کے احکام، اخلاقی ذمہ داریوں اور عوامی مصالح کے تابع قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حکمرانی، عدل، امانت اور اجتماعی نظم کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ[6]

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچاؤ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

یہ آیت اسلامی نظریۂ حکومت اور ولایت کے بنیادی اصولوں میں شمار ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اقتدار کو امانت اور عدل کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ[7]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی اطاعت کرو۔

اس آیت سے اسلامی نظام میں "اولی الامر" کی حیثیت اور اجتماعی نظم کی ضرورت واضح ہوتی ہے، جو درحقیقت ولایت عامہ کی شرعی بنیادوں میں سے ایک ہے۔ فقہ اسلامی میں ولایت کا دائرۂ کار نہایت وسیع ہے۔ فقہاء نے ولایت کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے، جن میں ولایت عامہ اور ولایت خاصہ نمایاں ہیں۔ ولایت خاصہ میں نکاح، تربیت اولاد، سرپرستی یتامیٰ اور مالی نگرانی جیسے امور شامل ہیں، جبکہ ولایت عامہ کا تعلق ریاست، حکومت، قضاء، احتساب، مالیات، امن و امان اور عوامی نظم و نسق سے ہے۔[8] چنانچہ اسلامی فقہ میں خلافت، امارت، قضاء اور حسبہ جیسے ادارے دراصل ولایت عامہ ہی کی مختلف عملی صورتیں ہیں۔

---

[2] (Public Law)
[3] (Legitimate Authority)

[4] ابن منظور، لسان العرب، مادہ: "ولی"، دار صادر، بیروت، ج 15، ص 407۔

[5] (Authority)

[6] القرآن، 4:58۔
[7] القرآن، 4:59۔
[8] علاء الدین الکاسانی، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج 2، ص 240۔

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں خلافت راشدہ ولایت عامہ کے عملی اور مثالی نمونے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ خلفائے راشدین نے اپنے اختیارات کو شخصی اقتدار کے بجائے عوامی امانت اور شرعی ذمہ داری کے طور پر استعمال کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پہلے خطبۂ خلافت میں یہ اصول واضح طور پر بیان کیا گیا کہ حکمران قانون اور عدل کا پابند ہے اور عوام کو احتساب کا حق حاصل ہے۔[9] بعد ازاں فقہائے اسلام نے سیاسی و ریاستی اختیارات کے حوالے سے ایک جامع فقہی لٹریچر مرتب کیا جس میں حکومت، قانون سازی، عدلیہ، انتظامیہ، بیت المال، حقوقِ رعایا اور حکمران کی ذمہ داریوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ اس ضمن میں امام ماوردیؒ کی الأحكام السلطانية، امام الجوینیؒ کی غياث الأمم في التياث الظلم، قاضی ابو یعلیٰ کی الأحكام السلطانية، امام ابن تیمیہؒ کی السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية اور ابن خلدونؒ کی المقدمة اسلامی سیاسی فکر اور ولایت کے موضوع پر بنیادی مراجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان علماء نے ریاستی اقتدار کی شرعی بنیادوں، حاکم کے اختیارات، عوام کے حقوق، عدل اجتماعی اور مصلحت عامہ کے اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔[10]

دوسری طرف جدید ریاست [11] کا تصور یورپ میں سیاسی، سماجی اور قانونی ارتقاء کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ سترہویں صدی کے معاہدۂ ویسٹ فیلیا [12] کے بعد خود مختار قومی ریاست [13] کا تصور بین الاقوامی سیاسی نظام کی بنیاد بنا۔ جدید ریاست کو ایک مستقل قانونی شخصیت [14] کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جو آئین، قانون، مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے ذریعے اپنے اختیارات استعمال کرتی ہے۔[15]

جدید قانونی نظام میں حاکمیت قانون[16]، آئینی بالادستی[17]، اختیارات کی تقسیم[18]، بنیادی انسانی حقوق [19] اور عوامی نمائندگی [20] جیسے تصورات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ جان لاک[21]، مونٹیسکیو[22]، روسو[23] اور دیگر مغربی مفکرین نے جدید ریاستی اختیارات اور قانونی نظم کے نظریاتی خدوخال مرتب کیے، جنہوں نے موجودہ آئینی ریاستوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔[24]

---

[9] محمد بن جریر الطبری، تاریخ الأمم والملوک، دار التراث، بیروت، ج2، ص446۔

[10] ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیۃ، ص11-18

[11] (Modern State)

[12] (Treaty of Westphalia, 1648)

[13] (Sovereign Nation-State)

[14] (Legal Personality)

[15] Malanczuk, Peter, *Akehurst's Modern Introduction to International Law*, Routledge, 1997, p. 75.

[16] (Rule of Law)

[17] (Constitutional Supremacy)

[18] (Separation of Powers)

[19] (Fundamental Rights)

[20] (Representative Governance)

[21] جان لاک(1632ء–1704ء)، معروف انگریز فلسفی اور سیاسی مفکر، نظریۂ معاہدۂ عمرانی (Social Contract) اور جدید جمہوری و آئینی فکر کے اہم نمائندہ ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف Two Treatises of Government جدید سیاسی فلسفے کی بنیادی کتب میں شمار ہوتی ہے۔

[22] مونٹیسکیو(1689ء–1755ء)، معروف فرانسیسی سیاسی مفکر، نظریۂ تقسیمِ اختیارات کے بانی اور کتاب The Spirit of Laws کے مصنف ہیں۔

[23] ژاں ژاک روسو(1712ء–1778ء)، معروف فرانسیسی فلسفی اور سیاسی مفکر، نظریۂ معاہدۂ عمرانی اور عوامی حاکمیت کے نمایاں علمبردار اور The Social Contract کے مصنف ہیں۔

[24] Montesquieu, *The Spirit of Laws*, Book XI, Chapter 6.

عصرِ حاضر میں مسلم دنیا کو ایک اہم فکری اور قانونی چیلنج درپیش ہے کہ اسلامی ولایت کے کلاسیکی تصور اور جدید ریاستی اختیارات کے درمیان تعلق کو کس طرح سمجھا جائے۔ ایک طرف جدید ریاست قانون سازی، عدالتی نگرانی، انتظامی اختیار اور عوامی نمائندگی کے ذریعے اجتماعی امور کو منظم کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف اسلامی فقہ میں قانون سازی کی اصل بنیاد وحی اور شریعت کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جدید ریاستی ادارے اسلامی ولایت کے تصور سے کس حد تک ہم آہنگ ہیں؟ کیا پارلیمنٹ، کابینہ اور عدلیہ کو ولایتِ عامہ کی جدید صورتیں قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا جدید ریاستی اختیارات کو مقاصدِ شریعت اور فقہی اصولوں کی روشنی میں جائز اور مشروع قرار دیا جا سکتا ہے؟ معاصر اسلامی مفکرین مثلاً محمد رشید رضا، عبدالرزاق السنہوری، یوسف القرضاوی، محمد سلیم العوا اور وہبہ الزحیلی نے ان سوالات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ان اہلِ علم کے نزدیک اسلامی سیاسی فکر میں ایسے اصول موجود ہیں جو جدید ریاستی اداروں کے ساتھ تطبیق اور ہم آہنگی کی بنیاد فراہم کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ریاستی اختیارات عدل، شورائیت، امانت، احتساب اور مصلحتِ عامہ کے اصولوں کے تابع ہوں۔[25]

فقہ اسلامی کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے:

تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة[26]

ترجمہ: حاکم کا رعایا کے بارے میں ہر تصرف مصلحت کے ساتھ وابستہ ہے۔

یہ قاعدہ اسلامی نظریۂ ولایت اور ریاستی اختیارات کی اساس تصور کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے مطابق حکمران یا ریاست کو ایسے انتظامی، قانونی اور پالیسی اقدامات کا اختیار حاصل ہے جو عوامی مصلحت کے حصول اور مفاسد کے ازالے کے لیے ضروری ہوں، بشرطیکہ وہ شریعت کے قطعی اصولوں سے متصادم نہ ہوں۔ اسی پس منظر میں جدید ریاستی قوانین اور اسلامی ولایت کے اصولوں کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ ایک اہم علمی ضرورت بن چکا ہے۔ یہ مطالعہ نہ صرف اسلامی فقہ اور جدید قانونی نظام کے باہمی تعلق کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ مسلم معاشروں میں قانون سازی، عدالتی اختیارات، ریاستی پالیسیوں اور عوامی نظم کے حوالے سے متوازن اور قابلِ عمل رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ زیرِ نظر تحقیق اسی علمی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی فقہ میں ولایت کے تصور، جدید ریاستی اختیارات کی نوعیت، دونوں نظاموں کے درمیان اشتراک و اختلاف کے پہلوؤں اور ان کے ممکنہ انطباق کا تجزیاتی جائزہ پیش کرتی ہے، تاکہ عصرِ حاضر میں اسلامی اصولوں اور جدید قانونی تقاضوں کے درمیان ایک متوازن اور قابلِ عمل فکری بنیاد فراہم کی جا سکے۔

اسلامی فقہ میں ولایت کا تصور، اقسام، شرائط اور اختیارات

اسلامی فقہ میں ولایت ایک بنیادی قانونی اور شرعی تصور ہے، جو فردی، خاندانی، سماجی، عدالتی اور ریاستی زندگی کے مختلف شعبوں میں اختیار، نگرانی، سرپرستی اور ذمہ داری کے تعین سے متعلق ہے۔ اسلامی قانون میں ولایت محض اقتدار یا تسلط کا نام نہیں بلکہ ایک ایسی شرعی ذمہ داری اور امانت ہے جس کا مقصد افراد کے حقوق کا تحفظ، مصالحِ عامہ کا حصول، عدل و انصاف کا قیام اور اجتماعی نظم کی حفاظت ہے۔ اسی وجہ سے

[25] یوسف القرضاوی، من فقہ الدولۃ فی الإسلام، دار الشروق، قاہرہ، ص 45-72؛ الزحیلی، وہبہ، الفقہ الإسلامی وأدلتہ، ج 8، ص 6140۔

[26] جلال الدین السیوطی، الأشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص 121

فقہاء نے ولایت کو اسلامی قانونی نظام اور سیاسی ڈھانچے کا ایک بنیادی ستون قرار دیا ہے۔[27] لغوی اعتبار سے ولایت عربی مادہ "ولی" سے مشتق ہے، جس کے معنی قرب، نصرت، دوستی، سرپرستی، حمایت اور اختیار کے ہیں۔ ابن منظور لکھتے ہیں:

"الولي: القرب والدنو، والولاية: السلطان والقدرة على التصرف[28]".

ترجمہ: ولی کے معنی قرب اور نزدیکی کے ہیں، جبکہ ولایت سے مراد اقتدار اور تصرف کی قدرت ہے۔

قرآن مجید میں لفظ ولایت مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، جن میں نصرت، دوستی، سرپرستی اور اقتدار نمایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اللهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ[29]

ترجمہ: اللہ ایمان والوں کا کارساز اور سرپرست ہے، وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا[30]

ترجمہ: تمہارا حقیقی سرپرست اللہ، اس کا رسول اور اہلِ ایمان ہیں۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی تصورِ ولایت محض قانونی اختیار نہیں بلکہ ذمہ داری، سرپرستی اور خیر خواہی کے مفہوم کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

فقہاء کی اصطلاح میں ولایت سے مراد ایسا شرعی اختیار ہے جس کے ذریعے کسی شخص کو اپنے یا دوسرے کے معاملات میں قانونی تصرف کا حق حاصل ہو۔ علامہ ابن نجیم ولایت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الولاية سلطة شرعية يثبت بها حق التصرف على الغير[31]".

ترجمہ: ولایت ایک شرعی اختیار ہے جس کے ذریعے دوسرے پر تصرف کا حق ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح علامہ کاسانی ولایت کو ایک ایسی شرعی اہلیت قرار دیتے ہیں جو کسی شخص کو دوسرے کے مفاد میں قانونی اقدامات کا اختیار عطا کرتی ہے۔[32]

[27] وہبہ الزحیلی، الفقہ الإسلامی و أدلتہ، دمشق: دار الفکر، 2004ء، ج6، ص4215۔

[28] ابن منظور، لسان العرب، بیروت: دار صادر، ج15، ص407۔

[29] القرآن، 2:257۔

[30] القرآن، 5:55۔

[31] زین الدین ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، بیروت: دار المعرفۃ، ج5، ص11۔

[32] علاء الدین الکاسانی، بدائع الصنائع، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ج7، ص171۔

ولایت کی اقسام

اسلامی فقہ میں ولایت کو مختلف اعتبارات سے تقسیم کیا گیا ہے، تاہم فقہاء نے عمومی طور پر اسے دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے :

ولایت خاصہ اور ولایت عامہ۔

1 ولایت خاصہ

ولایت خاصہ سے مراد وہ اختیار ہے جو کسی مخصوص فرد یا محدود دائرۂ اختیار سے متعلق ہو۔ اس میں والد کی نابالغ اولاد پر ولایت، سرپرست کی یتیم کے مال پر ولایت، مجنون یا غیر رشید شخص کے معاملات کی نگرانی، اور نکاح میں ولی کا اختیار شامل ہیں۔ فقہائے اسلام کے نزدیک اس قسم کی ولایت کا بنیادی مقصد ایسے افراد کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے جو اپنی کم عمری، کمزوری یا عدمِ اہلیت کی وجہ سے اپنے مفادات کی خود حفاظت نہیں کر سکتے۔ اسی لیے شریعت نے والدین، اولیاء اور سرپرستوں کو ان کے معاملات میں تصرف کا اختیار دیا ہے، لیکن اس اختیار کو مصلحت اور ذمہ داری کے ساتھ مشروط کیا ہے۔[33]

2 ولایت عامہ

ولایت عامہ سے مراد وہ عمومی اختیار ہے جو پورے معاشرے اور ریاستی امور سے متعلق ہو۔ اس میں خلیفہ، امام، حکمران، قاضی، محتسب اور دیگر ریاستی عہدیدار شامل ہوتے ہیں۔ اس ولایت کا مقصد اجتماعی نظم، عدل کا قیام، امن و امان کا تحفظ، حقوق کی نگہداشت اور مصالح عامہ کا حصول ہے۔[34]

امام ماوردی امامت اور ولایت عامہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الإمامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا[35]".

ترجمہ: امامت انبیاء کی نیابت کے طور پر دین کی حفاظت اور دنیاوی امور کی تدبیر کے لیے قائم کی جاتی ہے۔

یہ تعریف واضح کرتی ہے کہ اسلامی سیاسی فکر میں ریاستی اقتدار کا مقصد محض حکمرانی نہیں بلکہ دین کے تحفظ اور معاشرتی نظم کے قیام کو یقینی بنانا ہے۔

ولایت کی شرائط

فقہائے اسلام نے ولایت، خصوصاً ولایتِ عامہ کے لیے متعدد شرائط بیان کی ہیں تاکہ یہ اختیار اہل اور صالح افراد کے ہاتھوں میں رہے۔ اگرچہ مختلف فقہی مکاتب کے درمیان بعض جزوی اختلافات موجود ہیں، تاہم بنیادی شرائط پر عمومی اتفاق پایا جاتا ہے۔ ان شرائط میں اسلام، عقل،

---

33 ابن قدامہ، المغني، بیروت: دار الفکر، ج6، ص448۔

34 ایضا

35 الماوردي، الأحکام السلطانیۃ، قاہرہ: دار الحدیث، ص5۔

بلوغت، عدالت، امانت، علمی اہلیت اور انتظامی صلاحیت شامل ہیں۔ امام الجوینی کے نزدیک حکمران یا صاحب ولایت میں ایسی قابلیت اور اہلیت کا ہونا ضروری ہے جو اسے شریعت کے نفاذ، عوامی مصالح کے تحفظ اور ریاستی نظم و نسق کے قیام کے قابل بنا سکے۔[12] اسی طرح ابن خلدون نے حکمران کے لیے قوتِ تدبیر، سیاسی بصیرت اور اجتماعی قیادت کی صلاحیت کو ناگزیر قرار دیا ہے۔[36]

ولایت کے اختیارات

اسلامی فقہ میں ولایت کے اختیارات نہ تو مطلق ہیں اور نہ ہی غیر محدود، بلکہ وہ قرآن و سنت، مقاصدِ شریعت اور مصالحِ عامہ کے اصولوں کے تابع ہیں۔ حکمران یا صاحب ولایت کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں ان کا مقصد ذاتی اقتدار یا مفاد نہیں بلکہ عوامی فلاح اور عدل کا قیام ہوتا ہے۔

ولایت عامہ کے اہم اختیارات میں:

- شریعت اور قانون کا نفاذ؛
- عدالتی نظام کا قیام اور نگرانی؛
- امن و امان کا تحفظ؛
- دفاع مملکت اور خارجہ امور کی تدبیر؛
- بیت المال اور مالی وسائل کا انتظام؛
- عوامی حقوق اور مصالح عامہ کا تحفظ؛
- تعزیری قوانین اور انتظامی ضوابط کا نفاذ؛
- ظلم، بدعنوانی اور ناانصافی کا تدارک؛

شامل ہیں۔[37]

تاہم اسلامی فقہ اس امر پر زور دیتی ہے کہ ان تمام اختیارات کا استعمال شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اور مصلحتِ عامہ کو مد نظر رکھ کر کیا جائے۔ اسی لیے فقہاء نے ایک مشہور قانونی قاعدہ وضع کیا ہے:

"تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة[38]".

ترجمہ: حاکم کا رعایا کے بارے میں ہر تصرف مصلحت کے ساتھ وابستہ ہے۔

---

[36] الجوینی، غیاث الأمم في التیاث الظلم، قطر: وزارة الأوقاف، ص70۔

[37] أبو یعلی، الأحکام السلطانیة، بیروت: دار الکتب العلمیة، ص27-45۔

[38] السیوطي، الأشباہ والنظائر، بیروت: دار الکتب العلمیة، ص121۔

یہ قاعدہ اسلامی نظریۂ ولایت کی روح کو واضح کرتا ہے، کیونکہ اس کے مطابق ریاستی اختیارات کا معیار ذاتی خواہش یا سیاسی مفاد نہیں بلکہ عوامی فلاح اور شرعی مصلحت ہے۔

نتیجہ

مذکورہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی فقہ میں ولایت ایک منظم اور ذمہ داری پر مبنی قانونی تصور ہے، جس کا مقصد افراد اور معاشرے کے حقوق کا تحفظ، عدل کا قیام اور مصالحِ عامہ کا حصول ہے۔ ولایت کی مختلف اقسام، شرائط اور اختیارات اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ اسلامی قانون میں اقتدار کو امانت اور خدمت کے اصول پر استوار کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی نظام میں ولایت کو غیر محدود اقتدار کے بجائے ایک شرعی ذمہ داری سمجھا جاتا ہے، جو شریعت، عدل اور مصلحتِ عامہ کے اصولوں کے تابع ہوتی ہے۔

جدید ریاستی قوانین میں ریاستی اختیار (ولایت) کا تصور اور قانونی بنیادیں

جدید سیاسی اور قانونی فکر میں ریاستی اختیار ایک بنیادی تصور کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ ریاست ہی وہ مرکزی ادارہ ہے جو قانون سازی، نظمِ اجتماعی، عدل و انصاف کے قیام، داخلی امن و امان کے تحفظ اور بین الاقوامی تعلقات کے انتظام کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں ریاست کو ایک مستقل قانونی شخصیت[39] تصور کیا جاتا ہے جو اپنے شہریوں اور دیگر ریاستوں کے ساتھ حقوق و فرائض کے تعلق میں ایک خود مختار حیثیت رکھتی ہے۔ جدید قانونی نظام میں ریاستی اختیار کا تصور صدیوں کے سیاسی، فلسفیانہ اور آئینی ارتقاء کا نتیجہ ہے، جس نے آج کے قومی اور آئینی ریاستی نظام کی بنیاد فراہم کی ہے۔[40]

جدید ریاست کا تصور بنیادی طور پر یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے اختتام اور جدید دور کے آغاز کے ساتھ ابھرا۔ بالخصوص معاہدۂ ویسٹ فیلیا کو جدید قومی ریاست کے قیام کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ریاستی خود مختاری[41] اور علاقائی حاکمیت[42] کے اصول کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا گیا۔ اس معاہدے کے بعد ریاست کو ایک ایسی سیاسی و قانونی اکائی تصور کیا جانے لگا جس کے پاس مخصوص جغرافیائی حدود، مستقل آبادی، مؤثر حکومت اور خارجی خود مختاری موجود ہو۔[43]

جدید قانونی اور سیاسی نظریات میں ریاستی اختیار کی توجیہ مختلف فلسفیانہ بنیادوں پر کی گئی ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مؤثر نظریہ معاہدۂ عمرانی ہے، جسے تھامس ہابس[44]، جان لاک اور ژاں ژاک روسو نے مختلف انداز میں پیش کیا۔ ان مفکرین کے مطابق ریاست کا وجود افراد کے

---

[39] (Legal Personality)
[40] Hilaire Barnett, *Constitutional and Administrative Law*, 12th ed. (London: Routledge, 2021), p. 3.
[41] (State Sovereignty)
[42] (Territorial Sovereignty)
[43] Malcolm N. Shaw, *International Law*, 8th ed. (Cambridge: Cambridge University Press, 2017), p. 143.
[44] تھامس ہابس (1588ء–1679ء)، انگریز سیاسی مفکر اور Leviathan کے مصنف، نظریۂ معاہدۂ عمرانی اور مطلق ریاستی حاکمیت کے نمایاں نظریہ ساز ہیں۔

درمیان ایک فرضی یا حقیقی سماجی معاہدے کا نتیجہ ہے، جس کے تحت افراد اپنی بعض آزادیوں کو اجتماعی امن، نظم اور تحفظ کے حصول کے لیے ریاست کے سپرد کرتے ہیں۔[45]

تھامس ہابس کے نزدیک ریاست کا بنیادی مقصد امن وامان کا قیام اور معاشرتی انتشار کا خاتمہ ہے، جبکہ جان لاک نے ریاستی اختیار کو افراد کے بنیادی حقوق، خصوصاً زندگی، آزادی اور ملکیت کے تحفظ کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ روسو نے عوامی حاکمیت کے نظریے کو فروغ دیتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ریاستی اختیار کی اصل بنیاد عوام کی اجتماعی مرضی[46] ہے۔[47] چنانچہ جدید جمہوری ریاستوں میں ریاستی اقتدار کا سرچشمہ عوام کو تصور کیا جاتا ہے اور حکومتی ادارے عوامی نمائندگی کے ذریعے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں۔

عصر حاضر کے آئینی نظام میں ریاستی اختیارات کو منظم اور متوازن رکھنے کے لیے اختیارات کی تقسیم کا اصول اختیار کیا گیا ہے۔ اس نظریے کو فرانسیسی مفکر مونٹیسکیو نے اپنی مشہور تصنیف The Spirit of Laws میں تفصیل سے بیان کیا۔ اس کے مطابق ریاستی طاقت کو ایک ہی ادارے میں مرتکز کرنے کے بجائے مختلف اداروں میں تقسیم کرنا ضروری ہے تاکہ اختیارات کے ناجائز استعمال اور استبداد سے بچا جا سکے۔[48] اس اصول کے تحت جدید ریاستی نظام میں اختیارات کو عموماً تین بنیادی شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

1. مقننہ (Legislature)

مقننہ وہ ادارہ ہے جو قانون سازی کا اختیار رکھتا ہے۔ جمہوری ریاستوں میں پارلیمنٹ یا قانون ساز اسمبلی عوامی نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ملکی ضروریات، عوامی مفادات اور آئینی تقاضوں کے مطابق قوانین وضع کرتی ہے۔

2. انتظامیہ (Executive)

انتظامیہ ریاستی قوانین اور پالیسیوں کے نفاذ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ صدر، وزیر اعظم، کابینہ اور سرکاری ادارے انتظامیہ کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان کا بنیادی کام ملکی نظم و نسق چلانا، امن وامان برقرار رکھنا اور ریاستی امور کا انتظام کرنا ہے۔

3. عدلیہ (Judiciary)

عدلیہ قانون کی تشریح، تنازعات کے حل اور انصاف کی فراہمی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ عدالتیں اس امر کو یقینی بناتی ہیں کہ ریاستی ادارے اور شہری آئین اور قانون کی حدود کے اندر رہ کر اپنے اختیارات استعمال کریں۔

[45] Thomas Hobbes, *Leviathan* (London: Penguin Classics, 1985), pp. 223-227
[46] (General Will)
[47] John Locke, *Two Treatises of Government* (Cambridge: Cambridge University Press, 1988),
[48] Montesquieu, *The Spirit of Laws*, Book XI, Chapter 6

جدید قانونی نظام میں آئین ریاستی اختیار کی بنیادی قانونی بنیاد تصور کیا جاتا ہے۔ آئین ایک اعلیٰ قانونی دستاویز ہے جو ریاستی اداروں کے اختیارات، ان کی حدود، باہمی تعلقات اور شہریوں کے بنیادی حقوق و فرائض کا تعین کرتی ہے۔ اسی لیے جدید ریاستوں میں آئینی بالادستی کو قانونی نظم کی اساس سمجھا جاتا ہے۔

ریاستی اختیارات کو منظم اور محدود رکھنے کے لیے جدید آئینی نظام میں بنیادی حقوق کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آزادیِ اظہار، مذہبی آزادی، شخصی آزادی، مساوات، منصفانہ سماعت اور جائیداد کے تحفظ جیسے حقوق ریاستی طاقت کے استعمال پر قانونی حدود عائد کرتے ہیں، تاکہ حکومت شہریوں کے حقوق کو پامال نہ کر سکے۔

اسی تناظر میں عدالتی نگرانی[49] جدید ریاستی نظام کا ایک اہم ستون ہے۔ عدالتی نگرانی سے مراد عدالتوں کا یہ اختیار ہے کہ وہ ریاستی قوانین، حکومتی اقدامات اور انتظامی فیصلوں کا جائزہ لے کر یہ طے کریں کہ آیا وہ آئین کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی قانون یا حکومتی اقدام آئین سے متصادم ہو تو عدالت اسے کالعدم قرار دے سکتی ہے۔ اس اصول کے ذریعے قانون کی حکمرانی کو یقینی بنایا جاتا ہے اور ریاستی اختیارات کو قانونی حدود میں رکھا جاتا ہے۔

مسلم دنیا میں جدید ریاستی اختیارات کی قانونی بنیادیں عمومی طور پر آئین، پارلیمانی قانون سازی، عدالتی نظائر[50] اور انتظامی قواعد و ضوابط پر مبنی ہیں، تاہم متعدد مسلم ممالک نے شریعتِ اسلامیہ کو بھی قانون سازی کا ایک بنیادی ماخذ قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سعودی عرب میں قرآن و سنت کو ریاست کا بنیادی دستور تسلیم کیا گیا ہے، جبکہ پاکستان، مصر اور دیگر کئی مسلم ممالک کے آئین میں اسلامی احکام کی رعایت اور شریعت سے ہم آہنگ قانون سازی کی دفعات موجود ہیں۔ پاکستان کے آئین 1973ء میں اسلامی تشخص کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ بالخصوص آرٹیکل 227 میں یہ صراحت موجود ہے کہ:

"تمام موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا اور کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو قرآن و سنت کے منافی ہو۔"[51]

یہ دفعہ اس امر کی عکاسی کرتی ہے کہ جدید آئینی اور قانونی ڈھانچے کے اندر بھی اسلامی اصولوں کو ریاستی قانون سازی کے لیے ایک بنیادی معیار کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

مذکورہ بحث سے واضح ہوتا ہے کہ جدید ریاستی اختیار بنیادی طور پر آئین، عوامی حاکمیت، قانون کی بالادستی، اختیارات کی تقسیم اور عدالتی نگرانی جیسے اصولوں پر استوار ہے۔ اگرچہ یہ تصور تاریخی طور پر مغربی سیاسی فکر سے ابھرا ہے، تاہم اس کے متعدد عناصر، مثلاً عدل، احتساب، عوامی مفاد اور اختیارات کی تحدید، اسلامی فقہ کے اصولِ ولایت اور مصلحتِ عامہ کے ساتھ قابلِ موازنہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید ریاستی اختیارات اور اسلامی ولایت کے اصولوں کے درمیان تقابلی مطالعہ عصر حاضر کے فقہی و قانونی مباحث میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

---

[49] (Judicial Review)
[50] (Judicial Precedents)

[51] آئینِ اسلامی جمہوریہ پاکستان 1973ء، آرٹیکل 227۔

اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ

اسلامی فقہ میں ولایت اور جدید ریاستی قوانین میں ریاستی اختیار دو ایسے تصورات ہیں جو اگرچہ مختلف تاریخی، فکری اور قانونی پس منظر رکھتے ہیں، تاہم دونوں کا تعلق معاشرے میں نظم و نسق کے قیام، عوامی مفادات کے تحفظ، عدل و انصاف کی فراہمی اور اجتماعی استحکام سے ہے۔ عصر حاضر میں جب مسلم ریاستیں جدید آئینی اور قانونی نظاموں کے تحت اپنے امور انجام دے رہی ہیں، تو یہ سوال غیر معمولی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ اسلامی ولایت اور جدید ریاستی اختیارات کے درمیان اشتراک اور اختلاف کے پہلو کیا ہیں، اور آیا دونوں نظاموں کے درمیان تطبیق اور ہم آہنگی کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں۔

اسلامی سیاسی فکر اور جدید قانونی نظریات کے تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نظاموں کے مقاصد میں کئی مشترک عناصر موجود ہیں، لیکن ان کے نظریاتی سرچشمے، قانونی بنیادیں اور اختیار کے ماخذ میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ یہی فرق درحقیقت دونوں نظاموں کے مابین تقابلی بحث کا نقطۂ آغاز بنتا ہے۔

حاکمیت کا تصور: بنیادی نظریاتی فرق

اسلامی ولایت اور جدید ریاستی نظام کے درمیان سب سے بنیادی فرق حاکمیت[52] کے تصور میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی فقہ کے مطابق حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور تمام قانونی و سیاسی اختیارات اسی حاکمیتِ الٰہی کے تابع ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ[53]

ترجمہ: حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ[54]

ترجمہ: خبردار! پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور حکم دینا بھی اسی کا حق ہے۔

اسلامی سیاسی نظریے کے مطابق ریاست، حکمران اور تمام ریاستی ادارے شریعت کے پابند ہیں اور انہیں ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے متصادم ہو۔ چنانچہ اسلامی ولایت دراصل نیابت عن الشارع (شریعت کی نمائندگی) اور تنفیذ احکام شریعت کا نظام ہے۔

---

[52] (Sovereignty)

[53] القرآن، 40:12۔

[54] القرآن، 7:54۔

اس کے برعکس جدید جمہوری اور آئینی نظریات میں حاکمیت کا سرچشمہ عوام کو قرار دیا جاتا ہے۔ روسو کے مطابق ریاستی اقتدار کی اصل بنیاد عوام کی اجتماعی مرضی ہے، اور ریاستی ادارے اسی عوامی اختیار کے نمائندہ ہوتے ہیں۔ اسی بنیاد پر جدید جمہوری نظاموں میں پارلیمنٹ، مقننہ اور دیگر ادارے عوام کی طرف سے تفویض کردہ اختیارات استعمال کرتے ہیں۔[55]

لہٰذا دونوں نظاموں کے درمیان بنیادی نظریاتی فرق یہ ہے کہ اسلامی نظام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی اور اقتدارِ تفیذ امت یا ریاست کا ہوتا ہے، جبکہ جدید جمہوری نظریات میں حاکمیت اور اقتدار دونوں کا سرچشمہ عوام کو تصور کیا جاتا ہے۔

قانون سازی کے ماخذ اور حدود

دونوں نظاموں کے درمیان دوسرا اہم فرق قانون سازی کے ماخذ[56] سے متعلق ہے۔ اسلامی فقہ میں قانون سازی کا بنیادی ماخذ قرآن اور سنت ہیں۔ فقہاء اور مجتہدین نصوص شرعیہ کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے نئے مسائل کے احکام اخذ کرتے ہیں۔ شریعت کے قطعی احکام اور بنیادی اصول قانون سازی کی حدود متعین کرتے ہیں، جن سے تجاوز کی اجازت نہیں ہوتی۔ امام شاطبیؒ کے نزدیک تمام اجتہادی اور انتظامی اقدامات کا مقصد شریعت کے مقاصد کا تحفظ ہونا چاہیے، اور قانون سازی اسی وقت معتبر ہوگی جب وہ ان مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔[57]

اس کے برعکس جدید پارلیمانی نظام میں قانون سازی کا اختیار عوامی نمائندوں پر مشتمل مقننہ کو حاصل ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ ملکی ضروریات، سماجی تقاضوں اور عوامی مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے قوانین وضع کرتی ہے، اور قانون سازی کی حدود عموماً آئین کے ذریعے متعین کی جاتی ہیں۔

تاہم مسلم ممالک میں ایک درمیانی صورت بھی موجود ہے، جہاں پارلیمانی قانون سازی کو اسلامی اصولوں کے تابع رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے آئین کی دفعہ 227 اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے منافی نہیں بنایا جا سکتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جدید قانون سازی اور اسلامی اصولوں کے درمیان تطبیق کی عملی صورتیں موجود ہیں۔

عدل اور قانون کی حکمرانی

اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کے درمیان ایک اہم مشترک عنصر عدل ہے۔ اسلامی تعلیمات میں عدل کو حکومت اور ریاستی اختیار کا بنیادی مقصد قرار دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ[58]

ترجمہ: بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

---

[55] Rousseau, Jean-Jacques, *The Social Contract*, London: Penguin Books, 1968, p. 72.
[56] (Sources of Legislation)

[57] الشاطبی، الموافقات، ج2، ص8۔

[58] القرآن، 90:16۔

اسی طرح فقہائے اسلام نے ریاستی اختیارات کے استعمال کو عدل کے اصول سے مشروط قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"اللہ عادل ریاست کو قائم رکھتا ہے اگرچہ وہ غیر مسلم ہو، اور ظالم ریاست کو باقی نہیں رکھتا اگرچہ وہ مسلم ہو۔"[59]

جدید قانونی نظام میں یہی تصور قانون کی بالادستی کی شکل میں سامنے آتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام افراد اور ادارے قانون کے تابع ہوں اور کوئی شخص قانون سے بالاتر نہ ہو

اگرچہ اصطلاحات مختلف ہیں، لیکن عدل، مساوات اور قانون کی بالادستی کے حوالے سے دونوں نظاموں میں نمایاں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

احتساب، شورائیت اور عوامی مفاد

اسلامی فقہ میں حکمران کو مطلق العنان حیثیت حاصل نہیں بلکہ وہ احتساب، مشاورت اور مصلحتِ عامہ کے اصولوں کا پابند ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اہل ایمان کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ[60]

ترجمہ: اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔

اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں عوامی احتساب، مشاورت اور جوابدہی کے عملی نمونے ملتے ہیں۔

جدید جمہوری نظام میں بھی عوامی نمائندگی، پارلیمانی نگرانی، آزاد عدلیہ، میڈیا اور دیگر اداروں کے ذریعے حکمرانوں کا احتساب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شورائیت، احتساب اور جوابدہی کے اصول دونوں نظاموں میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔

اسی طرح اسلامی فقہ کا اصول "المصلحة العامة" اور جدید قانون کا تصور "Public Interest" اپنے مقاصد کے اعتبار سے بڑی حد تک ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں۔ فقہائے اسلام نے مصالح عامہ کی بنیاد پر متعدد انتظامی اختیارات کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ جدید ریاست بھی عوامی مفاد کی خاطر مختلف انتظامی اور قانونی اقدامات کرتی ہے۔

اختلاف کے نمایاں پہلو

اگرچہ متعدد مشترک پہلو موجود ہیں، تاہم بعض بنیادی اختلافات بھی نمایاں ہیں۔

سب سے اہم اختلاف قانون سازی کے ماخذ میں ہے۔ اسلامی نظام میں شریعت قانون سازی کا بنیادی معیار ہے، جبکہ سیکولر ریاست میں مذہب قانون سازی کا لازمی ماخذ نہیں ہوتا۔

---

[59] ابن تيمية، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية، ص23۔

[60] القرآن، 38:42۔

اسی طرح خاندانی قوانین، اخلاقی ضوابط، معاشرتی اقدار، سودی نظام، شخصی آزادیوں اور بعض سماجی امور کے حوالے سے بھی اسلامی فقہ اور جدید سیکولر قانونی نظاموں کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔

تجزیاتی جائزہ اور تطبیق کی امکانات

تنقیدی اور تجزیاتی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کے درمیان مکمل تضاد کا تصور علمی اعتبار سے درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل، احتساب، شورائیت، عوامی مفاد، حقوق کے تحفظ، قانون کی پابندی اور اختیارات کی تحدید جیسے متعدد اصول دونوں نظاموں میں مشترک ہیں۔ اختلاف بنیادی طور پر حاکمیت کے فلسفے، قانون سازی کے ماخذ اور بعض اخلاقی و سماجی اقدار میں پایا جاتا ہے۔

معاصر اسلامی مفکرین کا ایک بڑا طبقہ اس بات کا قائل ہے کہ مقاصد شریعت، مصلحت عامہ، شورائیت اور اجتہاد کے اصولوں کی روشنی میں ایک ایسا آئینی و قانونی ماڈل تشکیل دیا جا سکتا ہے جو اسلامی اصولوں اور جدید ریاستی ضروریات کے درمیان متوازن ہم آہنگی پیدا کرے۔

چنانچہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کے درمیان تعلق محض تصادم یا تضاد کا نہیں بلکہ تنقیدی تعامل اور اصولی تطبیق کا ہے، جس کے ذریعے عصر حاضر میں ایک ایسا قانونی و ریاستی نظام تشکیل دیا جا سکتا ہے جو اسلامی اقدار، عوامی فلاح، عدل اور جدید ریاستی تقاضوں کو یکجا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

پاکستانی تناظر میں اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین

پاکستان عالم اسلام کی ان چند ریاستوں میں شامل ہے جن کے آئین میں اسلام کو ریاستی شناخت اور قانون سازی کا بنیادی ماخذ تسلیم کیا گیا ہے، جبکہ ریاستی نظم و نسق جدید آئینی اور پارلیمانی اصولوں کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے پاکستان کا آئینی و قانونی نظام اسلامی اصول ولایت اور جدید ریاستی قوانین کے امتزاج[61] کی ایک نمایاں مثال ہے۔ ایک طرف پارلیمنٹ، عدلیہ اور انتظامیہ جدید ریاستی اداروں کے طور پر اپنے فرائض انجام دیتے ہیں، جبکہ دوسری طرف آئینِ پاکستان ان تمام اداروں کو قرآن و سنت کی بالادستی کا پابند بھی بناتا ہے۔ یہی دوہرا آئینی ڈھانچہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کے درمیان تعلق کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے۔ اسلامی فقہ میں ولایت کا مقصد محض اقتدار حاصل کرنا نہیں، بلکہ اقامت دین، قیامِ عدل، تحفظ حقوق، امن عامہ، مصلحت عامہ اور مقاصد شریعت کی تکمیل ہے۔ امام ماوردی لکھتے ہیں:

الإمامة موضوعة لخلافة النبوة في حراسة الدين وسياسة الدنيا به.[62]

ترجمہ: امامت (ولایتِ عامہ) انبیاء کی نیابت کے لیے قائم کی جاتی ہے تاکہ دین کی حفاظت اور دنیا کے معاملات کی شریعت کے مطابق تدبیر کی جا سکے۔

یہ تعریف واضح کرتی ہے کہ اسلامی نظام میں ریاست کا بنیادی مقصد شریعت کے مطابق معاشرے کی اصلاح اور عوامی مفاد کا تحفظ ہے۔

[61] (Hybrid Constitutional System)

[62] أبو الحسن الماوردي، الأحكام السلطانية والولايات الدينية (بیروت: دار الكتب العلمية، 1985)، ص 15۔

اسی تصور کی جھلک پاکستان کے آئین میں بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

اول: قرارداد مقاصد اور اسلامی ولایت

پاکستان کے آئینی نظام کی نظریاتی بنیاد قرارداد مقاصد[63] ہے، جو 12 مارچ 1949ء کو منظور کی گئی اور بعد ازاں آئین کے آرٹیکل 2-A کے ذریعے آئین کا مؤثر حصہ بنادی گئی۔ قرارداد مقاصد کا بنیادی اعلان یہ ہے:

"حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اور پاکستان کے عوام کو جو اختیار عطا کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر ایک مقدس امانت ہے۔"[64]

یہ عبارت اسلامی نظریۂ ولایت کے بنیادی اصول کی عکاسی کرتی ہے۔ اسلامی فقہ کے مطابق:

- حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔
- انسان کو اقتدار بطور امانت دیا گیا ہے۔
- ریاستی اختیار شریعت کے تابع ہے۔
- حکمران عوام کا مالک نہیں بلکہ ان کا خادم اور امین ہے۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

الولاية أمانة، وليست تشريفًا، وإنما المقصود منها إقامة العدل بين الناس.[65]

ترجمہ: ولایت ایک امانت ہے، اعزاز نہیں، اور اس کا مقصد لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنا ہے۔

اسی اصول کو قرارداد مقاصد نے آئینی حیثیت دی۔

دوم: آئین پاکستان اور اسلامی ولایت

(الف) آرٹیکل 2

آرٹیکل 2 میں درج ہے:

63 (Objectives Resolution)

64 Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973, Article 2A (Objectives Resolution)-

65 ابن تيمية، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية (الرياض: وزارة الشؤون الإسلامية، 1998)، ص17۔

"اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہو گا۔"[66]

اگرچہ یہ مختصر دفعہ ہے، لیکن اس کے دوررس آئینی اثرات ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ریاست صرف مذہبی شناخت رکھتی ہے بلکہ:

- ریاست کی قانونی شناخت اسلامی ہو گی۔
- ریاستی پالیسیوں میں اسلامی اقدار کو ملحوظ رکھا جائے گا۔
- قانون سازی اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں ہو گی۔

(ب) آرٹیکل 227

آرٹیکل 227 پاکستان کے اسلامی آئینی نظام کا بنیادی ستون ہے۔اس میں کہا گیا ہے:

"تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنایا جائے گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جائے گا جو قرآن وسنت کے منافی ہو۔"[67]

یہ دفعہ دراصل اسلامی فقہ کے اصول کی آئینی شکل ہے کہ:

"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق".اور تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة.[68]

یعنی ریاست کو قانون سازی کا اختیار ہے لیکن:

- وہ نصوص قطعیہ کے خلاف قانون نہیں بنا سکتی۔
- قانون سازی صرف مصلحت عامہ کے لیے ہو گی۔
- ریاست شریعت سے بالاتر نہیں۔

سوم: وفاقی شرعی عدالت کا کردار

اسلامی ولایت کی عملی تطبیق پاکستان میں سب سے نمایاں طور پر وفاقی شرعی عدالت[69] کے ذریعے نظر آتی ہے۔

آئین کے آرٹیکل D-203 کے مطابق وفاقی شرعی عدالت یہ اختیار رکھتی ہے کہ:

- کسی بھی قانون کا جائزہ لے۔
- اگر وہ قرآن وسنت کے خلاف ہو تو اسے خلاف شریعت قرار دے۔

[66] Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973

[67] Constitution of the Islamic Republic of Pakistan, 1973, Article 227

[68] ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، ص 138۔

[69] (Federal Shariat Court)

- حکومت کو اس میں ترمیم کا حکم دے۔

یہ اختیار دنیا کے اکثر اسلامی ممالک میں موجود نہیں اس اعتبار سے پاکستان میں عدلیہ اسلامی ولایت کے اصول:

- امر بالمعروف
- نہی عن المنکر
- احتساب حکمران

کو عملی جامہ پہناتی ہے۔

پاکستانی عدالتی نظائر کی روشنی میں اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کا تجزیہ

پاکستان ان چند مسلم ممالک میں شامل ہے جہاں آئین نے ایک طرف پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اختیار دیا ہے اور دوسری طرف اس اختیار کو قرآن وسنت کی حدود کا پابند بنایا ہے۔ اسی لیے وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے فیصلے اسلامی ولایت اور جدید ریاستی اختیار کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ عدالتی نظائر واضح کرتے ہیں کہ جدید ریاست میں قانون سازی، عدالتی نگرانی اور اسلامی اصولوں کے درمیان توازن کس طرح قائم کیا جاتا ہے۔

اول: ربا کیس (PLD 2000 Federal Shariat Court 1)

مقدمے کا پس منظر

پاکستان کے قیام کے بعد سے یہ سوال مسلسل زیرِ بحث رہا کہ آیا سود پر مبنی بینکاری نظام اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہے یا نہیں۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل 38 (ف) میں ریاست کو سود کے خاتمے کی ہدایت دی گئی، تاہم عملی طور پر روایتی بینکاری نظام برقرار رہا۔ اس تناظر میں وفاقی شرعی عدالت کے سامنے متعدد درخواستیں دائر ہوئیں جن میں مختلف مالیاتی قوانین کو قرآن وسنت کے منافی قرار دینے کی استدعا کی گئی۔

وفاقی شرعی عدالت نے PLD 2000 FSC 1 میں تفصیلی فیصلہ صادر کرتے ہوئے قرار دیا کہ ربا (سود) کی حرمت قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہے، لہٰذا سود پر مبنی تمام قوانین اور مالیاتی ڈھانچے اسلامی شریعت سے متصادم ہیں۔ عدالت نے حکومت کو ہدایت دی کہ وہ اسلامی مالیاتی نظام کے نفاذ کے لیے مناسب قانون سازی کرے

فقہی تجزیہ

یہ فیصلہ اسلامی ولایت کے بنیادی اصول حاکمیت شریعت کی عملی مثال ہے۔ فقہِ اسلامی کے مطابق حکمران یا ریاست کو انتظامی امور میں وسیع اختیارات حاصل ہیں، لیکن یہ اختیارات شرعی نصوص کے خلاف استعمال نہیں کیے جاسکتے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

مقصد الشريعة إخراج المكلف عن داعية هواه حتى يكون عبداً لله اختياراً كما هو عبد لله اضطراراً.[70]

اس اصول کی روشنی میں ریاست کی معاشی پالیسی بھی مقاصد شریعت کی پابند ہو گی۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی یہی اصول اختیار کرتے ہوئے واضح کیا کہ معاشی ضرورت سود کو جائز قرار دینے کی بنیاد نہیں بن سکتی۔

قانونی تجزیہ

اس فیصلے سے درج ذیل اصول سامنے آتے ہیں:

- پارلیمنٹ کی قانون سازی مطلق نہیں۔
- ریاستی معاشی پالیسی بھی شریعت کے تابع ہے۔
- وفاقی شرعی عدالت کو قانون کے شرعی جائزے (Judicial Review) کا اختیار حاصل ہے۔
- اسلامی ولایت کا مقصد صرف مذہبی شعائر کا نفاذ نہیں بلکہ معاشی عدل بھی ہے۔

دوم: حاکم خان کیس

Hakim Khan v. Government of Pakistan (PLD 1992 SC 595)

مقدمے کا پس منظر

اس مقدمے میں سپریم کورٹ کے سامنے یہ سوال آیا کہ آیا قرارداد مقاصد آئین کے دیگر حصوں پر فوقیت رکھتی ہے یا نہیں۔ عدالت نے قرار دیا کہ قرارداد مقاصد آئین کا مؤثر حصہ ہے، لیکن اس کی تعبیر پورے آئین کے ساتھ ہم آہنگ انداز میں کی جائے گی۔

اسلامی ولایت کے تناظر میں تجزیہ

یہ فیصلہ ایک اہم آئینی اصول واضح کرتا ہے کہ:

اسلامی ریاست میں بھی آئینی ادارے قانون کے دائرے میں رہتے ہیں۔

اسلامی فقہ بھی یہی تعلیم دیتی ہے کہ:

"لا اجتهاد مع النص".

یعنی جہاں واضح شرعی نص موجود ہو وہاں ریاستی اختیار محدود ہو گا، جبکہ اجتہادی معاملات میں ریاست کو مناسب گنجائش حاصل ہو گی۔

یہی اصول جدید آئینی تعبیر میں بھی اختیار کیا گیا۔

---

70 أبو إسحاق الشاطبي، الموافقات (بیروت: دار المعرفة)، ج2، ص168۔

سوم: بینظیر بھٹو کیس

Benazir Bhutto v. Federation of Pakistan (PLD 1988 SC 416)

مقدمے کی اہمیت

یہ مقدمہ بنیادی حقوق اور عوامی نمائندگی کے حوالے سے پاکستان کی آئینی تاریخ کا اہم ترین مقدمہ تصور کیا جاتا ہے۔

سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ ریاستی اختیار بنیادی حقوق کو غیر ضروری طور پر محدود نہیں کر سکتا۔

فقہی تجزیہ

اسلامی ولایت میں بھی حکمران مطلق العنان نہیں۔

چہارم: ٹرانس جینڈر ایکٹ کیس

Federal Shariat Court Judgment (2023)

مقدمے کا پس منظر

Transgender Persons (Protection of Rights) Act 2018 کی بعض دفعات کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا۔ عدالت نے قرار دیا کہ جنس کی تعیین محض خود ادراکیت [71] کی بنیاد پر نہیں کی جا سکتی بلکہ شریعت کے متعین اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔

فقہی تجزیہ

یہ فیصلہ اسلامی ولایت کے ایک بنیادی اصول کو واضح کرتا ہے:

ریاست کو شہری حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے، لیکن ریاست کو ایسے قوانین بنانے کا اختیار حاصل نہیں جو شرعی احکام سے متصادم ہوں۔

پنجم Family Laws Ordinance 1961

یہ قانون پاکستان میں خاندانی معاملات کو منظم کرنے کے لیے نافذ کیا گیا۔

مثلاً:

---

[71] (Self-perceived identity)

- نکاح کی رجسٹریشن
- ثالثی کونسل
- دوسری شادی کی اجازت
- طلاق کی اطلاع

فقہی تجزیہ

بعض علماء نے اس قانون پر تنقید کی، جبکہ معاصر فقہاء کی بڑی تعداد نے کہا اگر ریاست:

- ظلم کو روکے،
- حقوق محفوظ کرے،
- اور نصوص شرعیہ سے متصادم نہ ہو،

تو ایسی قانون سازی اسلامی ولایت کے دائرے میں داخل ہو گی۔

اس کی بنیاد فقہی قاعدہ ہے: تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة

مجموعی تجزیہ

مندرجہ بالا عدالتی نظائر سے درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

1۔ پاکستان میں پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اختیار حاصل ہے، لیکن یہ اختیار آئین کے آرٹیکل 227 کے تحت قرآن وسنت کی حدود سے مقید ہے۔

2۔ وفاقی شرعی عدالت اسلامی ولایت کے اصول احتساب (Judicial Accountability) کی عملی صورت ہے، جو قوانین کو شرعی معیار پر پرکھتی ہے۔

3۔ سپریم کورٹ کے فیصلے اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ آئینی بالادستی، بنیادی حقوق اور اسلامی اصول ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے بلکہ متوازن تعبیر کے متقاضی ہیں۔

4۔ عدالتی نظائر سے واضح ہوتا ہے کہ جدید ریاستی ادارے شریعت کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اختیارات استعمال کر سکتے ہیں، بشرطیکہ قانون سازی شرعی نصوص سے متصادم نہ ہو۔

5۔ اسلامی ولایت کا تصور جامد نہیں بلکہ ایسا اصولی نظام ہے جو مقاصد شریعت، مصلحت عامہ اور عدل کو بنیاد بنا کر جدید ریاستی اداروں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خلاصہ:

زیر نظر تحقیق **"جدید ریاستی قوانین اور اسلامی ولایت کے اصول: ایک تجزیاتی مطالعہ "** کے عنوان سے اسلامی فقہ میں ولایت کے تصور، اس کی اقسام، شرائط اور اختیارات کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ جدید ریاستی قوانین میں ریاستی اختیار کی قانونی بنیادوں اور دونوں نظاموں کے مابین اشتراک واختلاف کے پہلوؤں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرتی ہے۔ تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اسلامی فقہ میں ولایت محض اقتدار یا حکمرانی کا نام نہیں بلکہ ایک شرعی امانت، قانونی ذمہ داری اور عوامی خدمت کا نظام ہے، جس کا بنیادی مقصد دین، جان، مال، عقل اور دیگر انسانی حقوق کا تحفظ، عدل وانصاف کا قیام اور مصالح عامہ کا حصول ہے۔

تحقیق کے پہلے حصے میں یہ واضح ہوا کہ اسلامی فقہ میں ولایت ایک منظم قانونی تصور ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت، اجماع اور فقہی اصولوں پر قائم ہے۔ فقہاء نے ولایت کو ولایتِ خاصہ اور ولایتِ عامہ میں تقسیم کیا ہے اور ہر قسم کی ولایت کے لیے مخصوص شرائط اور حدود متعین کی ہیں۔ اسلامی سیاسی فکر میں حکمران یا صاحبِ ولایت کو مطلق العنان حیثیت حاصل نہیں، بلکہ اس کے اختیارات شریعت، عدل، شورائیت، احتساب اور مصلحتِ عامہ کے اصولوں کے تابع ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہائے اسلام نے یہ اصول وضع کیا کہ "تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة "یعنی حکمران کے تمام اقدامات عوامی مصلحت کے تابع ہوتے ہیں۔

تحقیق کے دوسرے حصے میں جدید ریاستی قوانین میں ریاستی اختیار کے تصور اور اس کی قانونی بنیادوں کا مطالعہ کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جدید ریاست کا تصور تاریخی طور پر یورپی سیاسی ارتقاء کا نتیجہ ہے، جہاں ریاستی اختیارات کی بنیاد عوامی حاکمیت، آئینی بالادستی، قانون کی حکمرانی اور اختیارات کی تقسیم جیسے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ جدید ریاستی نظام میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ریاستی اختیارات کے بنیادی ستون ہیں، جبکہ بنیادی حقوق اور عدالتی نگرانی ریاستی طاقت کے استعمال کو قانونی حدود میں رکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کے درمیان مکمل تضاد کا تصور درست نہیں۔ دونوں نظاموں کے بنیادی مقاصد میں عدل کا قیام، امن واستحکام کا تحفظ، عوامی مفادات کی نگہداشت، حقوق کا تحفظ اور اجتماعی نظم کا استحکام شامل ہیں۔ اسی طرح شورائیت، احتساب، شفافیت، جواب دہی اور مصلحتِ عامہ جیسے اصول بھی دونوں نظاموں میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ تاہم دونوں کے درمیان بنیادی فرق حاکمیت کے تصور اور قانون سازی کے ماخذ میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی نظام میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور قانون سازی شریعت کے دائرے میں ہوتی ہے، جبکہ جدید جمہوری نظام میں عوامی حاکمیت اور پارلیمانی قانون سازی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

تحقیق سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوا کہ مقاصد شریعت، مصلحت عامہ، اجتہاد اور شورائیت جیسے اسلامی اصول جدید ریاستی نظام کے ساتھ مثبت تعامل اور تطبیق کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ چنانچہ جدید مسلم ریاستوں میں آئینی اداروں، پارلیمانی قانون سازی اور عدالتی نظام کو اسلامی اصول

ولایت کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے، بشر طیکہ قانون سازی اور ریاستی اختیارات شریعت کے قطعی اصولوں اور مقاصدِ شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

مزید برآں، تحقیق نے یہ واضح کیا کہ موجودہ دور میں اسلامی فقہ اور جدید قانونی نظام کے درمیان تعلق کو تصادم کے بجائے تکامل (Integration) اور تطبیق کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ معاصر مسلم ریاستوں کو درپیش آئینی، قانونی اور انتظامی چیلنجز کا مؤثر حل اسی صورت میں ممکن ہے جب اسلامی فقہ کے اصول ولایت، مصلحت عامہ، عدل، شورائیت اور احتساب کو جدید ریاستی تقاضوں کے ساتھ متوازن انداز میں مربوط کیا جائے۔

آخر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ولایت کا بنیادی مقصد عوامی فلاح، عدل، حقوق کے تحفظ اور نظمِ اجتماعی کا قیام ہے، جبکہ جدید ریاستی نظام بھی اپنے نظریاتی اختلافات کے باوجود انہی مقاصد کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا ایک ایسا آئینی و قانونی ماڈل تشکیل دینا ممکن ہے جو اسلامی شریعت کے مقاصد اور جدید ریاستی نظم کے تقاضوں کو یکجا کر کے مسلم معاشروں کو ایک متوازن، عادلانہ اور مؤثر نظام حکمرانی فراہم کر سکے۔ یہی اس تحقیق کا بنیادی حاصل اور اس کا اہم علمی نتیجہ ہے۔

نتائج تحقیق (Findings)

زیر نظر تحقیق **"جدید ریاستی قوانین اور اسلامی ولایت کے اصول: ایک تجزیاتی مطالعہ"** سے درج ذیل نتائج اخذ کیے گئے ہیں:

1 ولایت اسلامی فقہ کا ایک جامع قانونی اور سیاسی تصور ہے

2 اسلامی ولایت کی بنیاد حاکمیتِ الٰہی پر قائم ہے

3 جدید ریاستی اختیارات کی بنیاد عوامی حاکمیت اور آئینی بالادستی پر ہے

4 اسلامی ولایت اور جدید ریاستی نظام کے مقاصد میں نمایاں اشتراک پایا جاتا ہے

5 اسلامی فقہ ریاست کو عوامی مصلحت کے حصول، نظمِ اجتماعی کے قیام اور مفاسد کے ازالے کے لیے متعدد انتظامی اختیارات دیتی ہے

6 مسلم ریاستوں میں اسلامی ولایت اور جدید قانونی اداروں کے درمیان عملی تطبیق ممکن ہے

7 اسلامی ولایت اور جدید ریاستی قوانین کے درمیان مکمل تصادم کا نظریہ علمی طور پر درست نہیں

سفارشات (Recommendations)

مندرجہ بالا نتائج کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

1 اسلامی ولایت کے موضوع پر جدید فقہی تحقیق کو فروغ دیا جائے

جامعات، تحقیقی اداروں اور فقہی مراکز میں اسلامی ولایت، ریاستی اختیارات اور جدید آئینی نظام کے تقابلی مطالعے پر مزید تحقیقی کام کیا جائے۔

2 قانون سازی میں مقاصد شریعت کو بنیادی رہنما اصول بنایا جائے

3 اسلامی فقہ اور جدید قانون کے ماہرین کے درمیان علمی مکالمہ بڑھایا جائے

4 مصلحت عامہ کے اصول کو ریاستی پالیسی سازی میں مؤثر بنایا جائے

5 شریعت اور آئین کے درمیان ہم آہنگی کے ادارہ جاتی نظام کو مضبوط کیا جائے

6 اسلامی اصول ولایت پر مبنی فلاحی اور عادلانہ نظام حکمرانی کو فروغ دیا جائے